THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

"رومان سے رمز تک: انگریزی رومانوی شعری روایت اور جدید اردو شاعری کی جمالیاتی تشکیل"

☆منیر احمد

پی۔ایچ۔ڈی اسکالر شعبہ، اُردو بہاالدین زکریایونیورسٹی، ملتان

Munirahmad31000@gmail.com

☆ڈاکٹر اقراء ریاض

شُعبہ اُردو بہاالدین زکریایونیورسٹی، ملتان

Riaziqra82@gmail.com

☆لیلیٰ تاج

بی ایس اردو اسکالر شُعبہ اردو، ایمرسن یونیورسٹی، ملتان

lailataj568@gmai.com

Abstract:

This research article critically examines the influence of English Romantic poetry on Urdu poetry, with particular focus on the continuity of Romantic thought, its relationship with modernism, and the emergence of symbolism in modern Urdu poetry. Romanticism, rooted fundamentally in imagination, emotion, nature, individuality, mystery and aesthetic consciousness, did not disappear with the decline of the nineteenth-century Romantic movement. Rather, its intellectual and aesthetic principles continued to influence subsequent literary movements, including realism, progressivism, modernism, structuralism, post-structuralism and symbolism. The study explores how the poetry of William Blake, William Wordsworth, S. T. Coleridge, Shelley, Keats and Byron established an enduring aesthetic and intellectual legacy that remained influential in twentieth-century English poetry, particularly in the works of T. S. Eliot and other modern poets. It further investigates how these literary developments reached Urdu literature through changing historical, cultural and intellectual circumstances. The article argues that modern Urdu poetry did not merely imitate Western literary movements; instead, it assimilated foreign influences into its own cultural, linguistic and literary traditions. The poetry of Mera Ji, N. M. Rashid, Nasir Kazmi, Munir Niazi and other modern Urdu poets demonstrates how symbolism, alienation, loneliness, psychological conflict and estrangement from nature became important modes of expressing modern experience. The study also considers the impact of scientific thought, industrialization, commercialization and globalization on literary consciousness. Ultimately, it concludes that Romanticism remains relevant because human emotion, imagination and aesthetic consciousness continue to constitute essential dimensions of literary expression.

Keywords:

English Romantic Poetry, Urdu Poetry, Romanticism, Modernism, Symbolism, William Wordsworth, Coleridge, William Blake, Shelley, Keats, T. S. Eliot, Modern Urdu Poetry, Mera Ji, N. M. Rashid, Alienation, Imagination, Aesthetic Consciousness, Globalization, Literary Influence

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

ادب انسانی زندگی، احساس، شعور اور تجربے کی ترجمانی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ انسانی تہذیب کے ارتقائی سفر میں مختلف ادبی تحریکیں وجود میں آئیں جنھوں نے اپنے عہد کے فکری، سماجی، سیاسی اور تہذیبی مسائل کو اظہار فراہم کیا۔ ان تحریکوں میں رومانیت کو اس اعتبار سے بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ اس نے انسان کے باطن، تخیل، جذبے، فطرت، حسن اور فرد کی داخلی دنیا کو ادبی اظہار کا مرکز بنایا۔

"رومانیت کی بنیادی خصوصیت انسانی باطن، جذبے اور وجدان کی ترجمانی ہے۔ رومانی شاعر خارجی دنیا کے بجائے اپنی داخلی دنیا کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اور وجدان کے ذریعے ایک ایسی دنیا تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو خارجی دنیا سے زیادہ حسین اور مکمل ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک انسانی تجربہ صرف عقل اور حواس تک محدود نہیں بلکہ احساس، تخیل، جذبہ اور باطنی تجربات بھی حقیقت کی تفہیم میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی داخلیت رومانیت کو دیگر ادبی رجحانات سے ممتاز کرتی ہے اور اسے انسانی شخصیت کے گہرے نفسیاتی اور جمالیاتی تجربات سے وابستہ کرتی ہے۔"(1)

انیسویں صدی میں انگریزی رومانوی شعرا نے اس رجحان کو ایک مضبوط ادبی اور فکری تحریک کی شکل دی، لیکن رومانیت کا اثر صرف اپنے عہد تک محدود نہیں رہا۔ اس کے اثرات بعد کی جدید ادبی تحریکوں میں بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

ڈبلیو بی ییٹس کے بقول::

"We were the last romantics−chose for theme

Traditional sanctity and loveleiness;

What ever's written in what Poet's name

The book of the people; whatever most can bless

The mind of man or elavte a rhyme.(2)"

یہ اقتباس اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ رومانوی فکر کو محض ایک تاریخی ادبی تحریک کے طور پر محدود نہیں کیا جاسکتا۔ رومانیت کے بنیادی عناصر انسانی شعور، تخیل، احساس اور حسن سے اس قدر گہرے طور پر وابستہ ہیں کہ وہ مختلف زمانوں اور ادبی رویوں میں نئی صورتوں کے ساتھ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

انیسویں صدی میں ولیم بلیک، ورڈزورتھ، کولرج، شیلے، کیٹس اور بائرن جیسے شعرا نے رومانوی شاعری کو عروج عطا کیا۔ ان کے ہاں فطرت، تخیل، فرد، آزادی، حسن، روحانیت اور انسانی جذبات بنیادی موضوعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعد میں بیسویں صدی کی شاعری میں یہی عناصر نئے فکری اور فنی پیرایوں میں سامنے آئے۔ ٹینی سن، رابرٹ فراسٹ، ڈبلیو بی ییٹس، ایزرا پاؤنڈ اور ٹی ایس ایلیٹ جیسے شعرا کے ہاں اگرچہ براہ راست رومانوی تحریک کی زبان اور اسلوب موجود نہیں، تاہم تخیل، علامت، اسرار، داخلی کرب اور انسانی وجود کی معنویت کی تلاش رومانوی روایت سے ایک گہرے تعلق کی نشان دہی کرتی ہے۔

یہی صورت اردو شاعری میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں جب دنیا کے مختلف خطوں کے درمیان علمی، تہذیبی اور ادبی روابط تیزی سے بڑھے تو مغربی ادب کے اثرات اردو ادب تک پہنچے۔ جدید اردو شاعری نے انگریزی، فرانسیسی اور روسی ادب کی مختلف تحریکوں سے اثرات قبول کیے، مگر انھیں جوں کا توں نقل کرنے کے بجائے اپنی تہذیبی اور ادبی روایت کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔

رومانیت کی بنیادی جڑیں تخیل اور جذبے میں پیوست ہیں۔ ادب بالخصوص شاعری محض خارجی واقعات کا بیان نہیں بلکہ انسانی وجود کے اندر جاری احساسات، کیفیات، خواہشات اور خوابوں کا اظہار بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رومانیت نے انسان کی داخلی دنیا کو ادبی اظہار کا بنیادی موضوع بنایا۔

رومانیت میں فطرت کا تصور بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ورڈزورتھ کے ہاں فطرت محض خارجی منظر نہیں بلکہ انسانی روح کی تربیت اور داخلی سکون کا ذریعہ ہے۔ کولرج کے ہاں تخیل حقیقت کو نئی معنویت عطا کرتا ہے، جبکہ بلیک کے ہاں فطرت اور روحانی کائنات باہم مربوط نظر آتی ہیں۔ شیلے کے ہاں فلسفیانہ اور جمالیاتی فکر، کیٹس کے ہاں حسن اور بائرن کے ہاں فرد کی آزادی اور داخلی اضطراب رومانوی روایت کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

رومانیت کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسانی تجربے کو محض عقلی پیمانوں سے نہیں پرکھا جاتا۔ انسان کے باطن، خواب، وجدان، جذبے، حسن اور اسرار کو بھی حقیقت کی تفہیم میں بنیادی مقام حاصل ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جس نے رومانیت کو بعد کی ادبی تحریکوں کے لیے بھی ایک مستقل سرچشمہ بنا دیا۔

"ورڈزورتھ کے نزدیک شاعر کو اپنے شعری مواد کے لیے عام انسانی زندگی اور روزمرہ کے واقعات کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور انہیں ایسی زبان میں بیان کرنا چاہیے جو عام انسانوں کے لیے قابلِ فہم ہو۔ تاہم شاعر کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے تخیل اور خیال کی رنگینی کے ذریعے ان واقعات کو جمالیاتی حسن عطا کرے۔ وہ شاعری کو شدید جذبات کے فوری احساس اور اظہار سے وابستہ کرتا ہے اور شاعر کو انسانی فطرت کا زیادہ باشعور، حساس اور وسیع القلب انسان تصور کرتا ہے۔ اس تصور میں شاعر محض الفاظ کا فن کار نہیں بلکہ انسانی احساس اور داخلی تجربے کا ترجمان بن جاتا ہے۔"(3)

ادبی تاریخ میں کوئی تحریک اچانک ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کے بنیادی تصورات مختلف صورتوں میں نئی تحریکوں کے اندر جذب ہو جاتے ہیں۔ رومانیت کے خلاف ترقی پسندی اور حقیقت پسندی نے بغاوت کی۔ ترقی پسند ادب نے قومی آزادی، معاشرتی انصاف، طبقاتی کشمکش اور معاشی ناہمواری کو موضوع بنایا۔ اس تحریک نے ادب کو معاشرتی زندگی سے گہرا تعلق رکھنے والا عمل قرار دیا۔

ترقی پسند نظریات کے مطابق زبان اور تہذیب کو دبایا نہیں جانا چاہیے بلکہ ہر قوم اور تہذیبی گروہ کو اپنی زبان اور ثقافت کی نشوونما کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اسی فکری پس منظر میں مارکسی نظریات، ساختیات اور بعد کی فکری تحریکوں نے ادب کے مطالعے کے لیے نئے زاویے پیدا کیے۔

جان فرو (John Frow) اپنے مضمون "Marxism And Structuralism" میں لکھتا ہے:

"Thus structuralism tends to take languages as its key category existentialism. The concepts ofanxiety and the fear of freedom phenomenology,the experience and thematics of term porality,pschoanalysis the dynamics of sexuality, and themorphous 'ethical' criticism which is theuntheorized main stay of current in situationalpractice relies upon a humanist ideology and its attendant categories of self, indentity and so on.(4)"

ساختیات نے زبان کو بنیادی زمرے کے طور پر اہمیت دی اور ادب کو معنی پیدا کرنے والے نظام کے طور پر دیکھنے کی کوشش کی۔

اسی طرح Lori Hope Lefkovitz اپنے مضمون "Creating the World Structuralism and Semiotics" میں لکھتی ہیں:

"Semiotics and structuralism are among the theories that first ask how language and literature convey meaning...... structuralism and semiotics recognize
that communities that share a textual history reach consensus about meaning because they share codes and conventions of expression."(5)

اس طرح زبان، علامت اور معنی کے باہمی تعلق نے ادبی مطالعے کو ایک نئی فکری سمت عطا کی۔ تاہم ادب کو محض ایک سائنسی نظریے یا ساخت میں محدود کرنا بھی ممکن نہیں، کیونکہ ادب انسانی زندگی کے جذباتی، جمالیاتی اور روحانی تجربات کا اظہار ہے۔

مارکس کے فلسفے کا ادب پر وسیع اثر ہوا۔ ہندوستان میں ترقی پسند تحریک نے مارکسیت کو اس لیے قبول کیا کہ نوآبادیاتی غلامی، جاگیرداری اور معاشرتی ناہمواری کے خلاف مارکسی فکر میں ایک فکری بنیاد موجود تھی۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

مارکس کے تصورِ مستقبل کے بارے میں آدم رابرٹس (Adam Roberts) بیان کرتا ہے:

"Utopia has been a perennial theme of humandiscourse. Philosphers and political thinkers have ponderdhow we might convert our flawed world in to Utopia, andKarl Marx is only one of the most widelyinfluential of these theorists."(6)

اس فکری رجحان نے ادیب کے لیے سماجی ذمہ داری کا تصور پیدا کیا۔ ادب سے یہ توقع کی جانے لگی کہ وہ معاشرتی اصلاح، طبقاتی شعور اور انسانی آزادی کے مسائل کو موضوع بنائے۔

لوئیس آلتھر (Louis Alsthusser) اپنے مضمون "Ideology and The State" میں لکھتا ہے:

"I regard as ideological state Apparatusesinstitutions which for the most part do that possespublicstatus but are quite simply private instituitions. As aconscious Marxist Gramsci alrerady forestalled thisobjection on one sentence.(7)"

اس کے نتیجے میں ادب میں وابستہ ادب کا تصور سامنے آیا۔ شمس الرحمان فاروقی کے مطابق:

اس تحریک نے La Literature Engage (وابستہ ادب) کا نعرہ بلند کیا لیکن سوائے اس کے کہ چند بڑے ادیب مثلاً یورپ میں برنارڈ شاہ بریخت ترکی کا ناعم، Louis Aaragon اور اراگون Sartre سارتر، Breacht حکمت اور جنوبی امریکہ میں پابلو نرودا Neruda اس سے منسلک رہے۔ اس کی کوئی اہمیت پورے منظر کو سامنے رکھتے ہوئے نظر نہیں آتی۔ اگرچہ یہ تحریک اپنی ابتدائی شدت کے ساتھ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی، لیکن مارکسی فکر نے ادب اور تنقید کو مستقل طور پر متاثر کیا۔ رومانیت کو کلاسیکیت کے خلاف ایک فکری اور فنی ردِ عمل کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے۔ کلاسیکی ادب میں عقل، نظم اور خارجی مظاہر کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، جب کہ رومانی ادیب وجدان اور داخلی تجربے کو بنیادی حیثیت دیتا ہے۔ کلاسیکی شاعر خارجی دنیا کو اس کے ظاہری وسائل کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن رومانی شاعر وجدان کی گہرائیوں میں اتر کر ان نمونوں تک رسائی حاصل کرتا ہے جو خارجی دنیا میں پوری طرح دکھائی نہیں دیتے۔ یوں رومانیت انسانی شخصیت کے باطن، تخیل اور وجدان کو خارجی حقیقت کی تشکیل میں مؤثر قوت کے طور پر پیش کرتی ہے۔"(8)

جدیدیت کو عموماً رومانیت سے مختلف ادبی رویہ سمجھا جاتا ہے، لیکن دونوں کے درمیان ایک گہرا تاریخی اور فکری رشتہ موجود ہے۔ ہر نئی ادبی تحریک کسی نہ کسی سابق روایت سے رشتہ قائم کرتی ہے۔ کبھی وہ اس روایت کو رد کرکے نئی راہ بناتی ہے اور کبھی اسی روایت کے عناصر کو نئے انداز میں استعمال کرتی ہے۔

کلینتھ بروکس (Cleanth Brooks) اپنے نوٹ "The State of Modern Literature" میں لکھتا ہے:

"Our modern literature a great achievment the moretriumphant.... the genuine artist presumably undertakes to setforth some vision of life some imaginative apprehension of it
which he hopes engage our imagination."(9)

جدید ادب کی کامیابی بھی تخیل سے وابستہ ہے۔ تخیل جدید ادب میں بھی انسانی تجربے کو معنی دینے کا بنیادی ذریعہ ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

رومانیت اور جدیدیت کے درمیان یہ مشترک عنصر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جدیدیت نے رومانیت کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا بلکہ اس کے بعض بنیادی عناصر کو نئے فنی پیرایوں میں جذب کیا۔

تخیل رومانوی شاعری کا بنیادی جوہر ہے۔ یہ انسانی ذہن کی وہ قوت ہے جو مختلف اور بظاہر غیر متعلق عناصر کو باہم مربوط کر کے ایک نئی معنوی وحدت پیدا کرتی ہے۔

کولرج کے تصورِ تخیل میں پرانی اور مانوس اشیا کے ساتھ نئے پن اور تازگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ تخیل عام تجربے کو ایک ایسی جمالیاتی کیفیت میں تبدیل کرتا ہے جہاں احساس، نظم، موسیقیت اور معنویت باہم مربوط ہو جاتے ہیں۔

رومانیت کے بعد علامت نگاری نے تخیل کے اسی عمل کو ایک نئی زبان عطا کی۔ علامت کے ذریعے شاعر نے براہِ راست بیان کے بجائے ایک ایسی معنوی فضا پیدا کی جس میں قاری کو مختلف سطحوں پر معنی دریافت کرنے کا موقع ملتا ہے۔

کولن فیلیک (Colin Falack) اپنے مضمون "Toward A True Post-Modernism" میں لکھتا ہے:

> "Poetry or imaginative literature is our mostfundamental mode of inscription of reality, and it isimaginative or imagistic concreteness that we need forthis purpose, rather than the abstractions either of theintellect or of the traditional system of relligious symbolism"(10)

اس طرح تخیل اور علامت دونوں جدید ادب میں حقیقت کے اظہار کے اہم ذرائع بن گئے۔

> "رومانوی تحریک نے شاعری کے اظہار میں بھی نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ اس نے کلاسیکی شاعری کی پر تکلف زبان اور مخصوص فنی سانچوں سے انحراف کرتے ہوئے نسبتاً آسان اور عام فہم زبان کو اہمیت دی۔ اسی کے ساتھ علامت، پیکر تراشی اور معنی خیزی کو شعری اظہار کا مؤثر وسیلہ بنایا گیا تاکہ شاعر اپنے داخلی تجربات اور پیچیدہ جذبات کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے زیادہ گہرے اور بامعنی انداز میں پیش کر سکے۔ اس فنی رویے نے بعد میں جدید شاعری اور علامت نگاری کے لیے بھی نئے امکانات پیدا کیے۔"(11)

انیسویں صدی کے آخری عشروں میں یورپ میں ایک ایسی فضا پیدا ہوئی جس میں بے اعتمادی، روحانی بحران اور صنعتی تمدن کے مسائل نمایاں تھے۔ صنعتی انقلاب کی پیدا کردہ خوش حالی پر مارکس اور اینگلز نے تنقیدی نظر ڈالی۔ دوسری طرف ڈارون اور جدید سائنسی افکار نے انسان کے روایتی تصورات کو چیلنج کیا۔

اس ماحول میں حقیقت نگاری نے انسانی بے بسی اور سماجی مسائل کو موضوع بنایا، مگر جلد ہی علامت نگاری نے ایک نئی فنی راہ پیدا کی۔ علامت نگار شعرا نے شعر کو موسیقی کے قریب لانے، ابہام کو بامعنی بنانے اور لاشعوری کیفیات کو اظہار دینے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے رومانیت کا اثر بنیادی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ رومانوی شاعری پہلے ہی تخیل، اسرار، حسن اور داخلی احساس کو اہمیت دے چکی تھی۔

ٹی ایس ایلیٹ نے انگریزی شعری روایت کے بعض فراموش شدہ شعرا کو دوبارہ اہمیت دی اور یورپی علامت نگاری کے ساتھ انگریزی روایت کا تعلق واضح کیا۔ اس طرح علامت نگاری صرف فرانسیسی یا یورپی تحریک نہ رہی بلکہ وسیع تر مغربی ادبی روایت کا حصہ بن گئی۔

شمس الرحمن فاروقی نے رومانیت اور جدید مغربی ادب کے تعلق کو نہایت اہم انداز میں واضح کیا ہے:

> "جس طرح جدید مغربی تنقید رومانی تحریک کی دین ہے، اسی طرح جدید مغربی ادب بھی رومانی الاصل ہے۔ ایک طرح سے آج کے ادب کو نورومانی کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس کی دوربینی، انفرادی اور ذاتی اظہار پر اصرار فن پارے کی زبان میں بلا واسطگی اور نیم روشن ابلاغ کا اقرار، اظہار ذات میں الم ناک شدت، اور ہیئت و موضوع کی وحدت کا تصور، رومانی احیا کا ورثہ ہیں۔ بیسویں صدی نے اس کی بھیانک اور درد انگیز تصویر میں جنس، لاشعور اور یاسیت کے سرخ وسیاہ رنگ بھرے ہیں، کیا وہ دن بھی آئے گا جب یہ تصویر میں قدیم یونانی ڈرامے کی طرح سڈول سبل تھوڑی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

بہت یاس آمیز لیکن تمجید انگیز شکل اختیار کر لے گی۔ اس سوال کے جواب میں ہربرٹ ریڈ (Herbert Read کے الفاظ میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ ایسا شاید اسی وقت ممکن ہے جب دنیا اپنی اوائلی سادگی کی طرف لوٹ جائے اور ٹی ایس ایلیٹ کا بیان کردہ ہوشمندی کا انتطاع انسلاک میں بدل جائے۔"(12)

یہ اقتباس اس تحقیق کے مرکزی نکتے کو مضبوط کرتا ہے کہ جدید ادب کی تشکیل میں رومانوی فکر کا کردار بنیادی اور دیرپا ہے۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں دنیا کے مختلف معاشروں کے درمیان علمی اور تہذیبی روابط تیزی سے بڑھے۔ جدید مواصلاتی ذرائع نے جغرافیائی فاصلے کم کیے اور مختلف زبانوں کے ادب ایک دوسرے کے قریب آئے۔

اردو ادب بھی اس عالمی ادبی تعامل سے متاثر ہوا۔ انگریزی ادب کی جدید تحریکوں کے اثرات اردو شاعری میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے۔ جدید اردو شاعری نے صرف مغربی نظریات کو نقل نہیں کیا بلکہ انہیں اپنی تہذیبی، مذہبی، تاریخی اور شعری روایت کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔

"اردو ادب میں رومانیت کے اثرات کسی باقاعدہ رومانی تحریک کی صورت میں ظاہر نہیں ہوئے، تاہم اس کے عناصر نے مختلف ادبی تحریکوں اور انفرادی تخلیقی رویوں کو متاثر کیا۔ علی گڑھ تحریک سے ترقی پسند تحریک تک اردو ادب میں رومانوی عناصر مختلف صورتوں میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ اردو شاعروں نے رومانیت کو محض حسن و عشق یا وارداتِ قلب تک محدود نہیں رکھا بلکہ داخلیت، آزادیِ فکر، جذبہ، وجدان، بغاوت، فطرت اور انسانی شخصیت کی نشوونما جیسے موضوعات کو بھی اس کے دائرے میں شامل کیا۔ اس طرح اردو ادب میں رومانیت نے مغربی تحریک کی نقل کے بجائے مقامی تہذیبی اور ادبی مزاج کے مطابق نئی صورت اختیار کی۔"(13)

یہی وجہ ہے کہ جدید اردو شاعری میں علامت، استعارہ، ابہام، تنہائی، اجنبیت، سیاسی جبر، داخلی اضطراب اور فطرت سے دوری جیسے موضوعات سامنے آئے۔

اکیسویں صدی میں دنیا ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہو چکی ہے کہ ادبی اثرات کی منتقلی پہلے کی نسبت کہیں زیادہ تیز ہو گئی ہے۔ ایک زبان میں پیدا ہونے والا ادبی رجحان بہت کم عرصے میں دوسری زبانوں کے ادب کا حصہ بن سکتا ہے۔

اردو زبان نے بھی انگریزی کے وسیع اثرات قبول کیے۔ تاہم اس عمل کو زبان کی کمزوری کے بجائے اس کی زندہ اور متحرک فطرت کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر عرش صدیقی اپنے مضمون "اردو کے لیے انگریزی کی ضرورت" میں لکھتے ہیں:

"زبان کو بدلتی ہوئی معاشرتی صورت حال اور میل جول میں آنے والی دوسری زبانوں سے بچا کر رکھنے کی کوشش کی جائے تو زبان پہلے جامد اور پھر مردہ ہو جاتی ہے۔"(14)

یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دوسری زبانوں اور ادبی روایات سے تعامل کسی زندہ زبان کے لیے فطری عمل ہے۔ اردو شاعری نے انگریزی کے ساتھ ساتھ فرانسیسی اور روسی ادب کے اثرات بھی قبول کیے۔

جدید اردو شاعری میں علامت نگاری کا فروغ محض مغربی تقلید کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اس کے پس منظر میں خود اردو معاشرے کی بدلتی ہوئی صورت حال بھی موجود تھی۔ شہری زندگی کا پھیلاؤ، روایتی اقدار کا زوال، مذہبی اور روحانی بے یقینی، خاندانی انتشار، سیاسی دباؤ، تنہائی اور اجنبیت نے شاعر کے تجربے کو بدل دیا۔ ان حالات کے اظہار کے لیے روایتی شعری زبان بعض اوقات ناکافی محسوس ہوئی، چنانچہ علامت، استعارہ اور تصویری اظہار کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔

حلقہ اربابِ ذوق سے وابستہ شعرا نے ان امکانات سے فائدہ اٹھایا۔ میرا جی اس حوالے سے نمایاں نام ہیں۔ ان کی شاعری میں پراسراریت، رومانیت، جنسی نا آسودگی، داخلی اضطراب اور علامتی فضا نمایاں ہے۔

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

ن۔م۔راشد نے بھی علامت کو وسیع تہذیبی اور فکری معنویت عطا کی۔ان کی علامتوں میں تہذیبی ماضی، جدید انسان کی بے چینی اور انسانی وجود کے مسائل باہم مربوط دکھائی دیتے ہیں۔اسی طرح ناصر کاظمی اور منیر نیازی کی شاعری میں ہجرت، تنہائی اور جدید زندگی کی اجنبیت نمایاں ہے۔ان شعرا کی شاعری میں فطرت سے دوری اور انسانی رشتوں کی کمزوری ایک ایسی رومانوی اور پراسرار فضا پیدا کرتی ہے جس کا تعلق جدید انسان کے داخلی تجربے سے ہے۔

جدید اردو شاعری کے بعض اہم شعرا نے مغربی شعری روایت سے اثرات قبول کرتے ہوئے اپنی تہذیبی شناخت کو برقرار رکھا۔ڈاکٹر سہیل احمد خان،ڈاکٹر تبسم کاشمیری اور ڈاکٹر سعادت سعید جدید حسیت کے ان نمائندوں میں شمار کیے گئے ہیں جن کی شاعری میں جدید مغربی شعری امکانات کے ساتھ اپنی تہذیبی روایت بھی موجود ہے۔

افتخار عارف، عرفان صدیقی اور جیلانی کامران جیسے شعرا نے علامتوں کے ذریعے مذہبی اور ثقافتی ماضی کو جدید شعری تجربے سے جوڑا۔اس طرح علامت نگاری اردو شاعری میں محض مغربی فنی تکنیک نہیں رہی بلکہ مقامی تہذیبی شعور کے اظہار کا ذریعہ بھی بن گئی۔

یہاں انگریزی رومانوی شاعری کا اثر براہ راست موضوع یا اسلوب کی نقل کے بجائے ایک وسیع تر فکری اور جمالیاتی سطح پر محسوس ہوتا ہے۔فطرت سے تعلق،انسانی داخلی دنیا، تخیل،اسرار،فرد کی تنہائی اور حسن کی تلاش جیسے عناصر نئی اردو شاعری میں مختلف صورتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔

جدید سائنسی دور نے انسانی شعور اور ادب دونوں کو متاثر کیا۔سائنسی فکر نے کائنات،انسان اور حقیقت کے بارے میں روایتی تصورات کو چیلنج کیا۔اس کے نتیجے میں زندگی میں بے یقینی کا احساس پیدا ہوا اور مادیت پرستی کو تقویت ملی۔

کمپیوٹر،انٹرنیٹ اور جدید تجارتی نظام نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا۔ادب کو بھی افادیت کے پیمانوں سے جانچا جانے لگا،حالانکہ ادب کی اصل قوت انسانی داخلی دنیا کی ترجمانی میں ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی اپنے مضمون "ادب، سائنس اور نئی نسل" میں لکھتے ہیں:

> "زندگی کا ذاتی Pattem بھی اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب فن کار اپنے ماحول سے پورے طور پر باخبر ہو۔اس کا شعور رکھے اور یہ Pattem اسی لیے زیادہ عمل بھی ہو گا کہ اس میں انسان کی ذات اور احساس راہ پاتے ہیں۔سائنس کی ترقی اور اس کے توبہ تو انکشافات میں نہ جذبات ہوتے ہیں نہ احساس اور نہ جمالیاتی پہلو۔ادب ان میں یہ رنگ بھر دیتا ہے۔ان میں انفرادیت و معنویت رسا لسا کر نئی زندگی بخشتا ہے جو رفتہ رفتہ ہمارے عام شعور کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔"(15)

اس اعتبار سے ادب سائنس کا متبادل نہیں بلکہ انسانی تجربے کی وہ جہت ہے جس میں سائنس کے نتائج کو انسانی احساس اور جمالیاتی شعور کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔یہ خیال کہ سائنس اور جمالیات ایک دوسرے سے مکمل طور پر الگ ہیں،جدید دور میں مزید پیچیدہ ہو گیا ہے۔سائنسی دریافتیں بھی انسانی تخیل اور جمالیاتی شعور کو متاثر کرتی ہیں۔

Arthur C. Danto کے ایک مضمون کا عنوان "Beautiful Science and The Future of Criticism" ہے میں وہ مائیکروبایولوجی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "Now the microbiology of beautiful science will itselfbe an example of Beautiful Science, and it will be a great achievement of Beautiful Science in that it will have arrived at the microbiology of itself." (16)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جدید سائنسی دنیا میں بھی حسن، تخیل اور جمالیاتی تجربے کے امکانات موجود ہیں۔یہی وہ مقام ہے جہاں رومانیت جدید سائنس کے عہد میں بھی اپنی معنویت برقرار رکھتی ہے۔

جدید صنعتی اور تجارتی تہذیب نے انسان کو بے شمار مادی سہولتیں فراہم کیں، لیکن اس کے ساتھ انسانی تعلقات اور روحانی زندگی پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

سرمایہ کاری، کارپوریٹ کلچر اور تجارتی زندگی نے روایتی خاندانی اور معاشرتی رشتوں کو کمزور کیا۔ فرد اپنی ذات میں محدود ہوتا گیا اور تنہائی، اجنبیت اور بے معنویت کے احساس نے شدت اختیار کی۔

جدید انسان کا یہ بحران ٹی ایس ایلیٹ کی "The Waste Land" کی فضا سے مماثلت رکھتا ہے۔ یہاں انسان مادی ترقی کے باوجود روحانی طور پر بنجر دکھائی دیتا ہے۔

اس صورت حال میں رومانوی ادب ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے، کیونکہ رومانیت انسان کو محض معاشی یا مادی وجود کے طور پر نہیں دیکھتی بلکہ اسے جذبات، تخیل، حسن، روح اور فطرت سے وابستہ ایک مکمل وجود تصور کرتی ہے۔

رومانوی شاعری میں فطرت انسانی زندگی سے جدا نہیں۔ ورڈزورتھ کے ہاں فطرت انسان کی داخلی تربیت کرتی ہے، کولرج کے ہاں فطرت تخیل کے ساتھ ایک نئی معنوی دنیا پیدا کرتی ہے، بلیک کے ہاں فطرت روحانی اور آفاقی تجربے سے وابستہ ہے، جبکہ شیلے اور کیٹس کے ہاں حسن، فطرت اور انسانی احساس ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

جدید دور میں فطرت سے انسان کا تعلق کمزور ہوا۔ صنعتی ترقی، شہری زندگی اور مادی دوڑ نے انسان کو قدرتی ماحول سے دور کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جدید شاعری میں فطرت کی یاد، تنہائی اور گم شدہ رشتے کی علامت بن جاتی ہے۔

اردو شاعری میں بھی یہ کیفیت نمایاں ہے۔ جدید شاعر فطرت کو صرف حسن کے بیان کے لیے استعمال نہیں کرتا بلکہ اسے اپنی داخلی تنہائی، یاد، ہجرت اور روحانی بے چینی کے اظہار کا ذریعہ بناتا ہے۔ رومانیت کی اصل بنیاد انسانی جذبات ہیں۔ انسان جب تک جذبات رکھتا ہے، حسن کا احساس رکھتا ہے اور نامعلوم کو سمجھنے کی جستجو رکھتا ہے، رومانیت بھی مختلف صورتوں میں موجود رہے گی۔ جدید دور نے اگرچہ انسان کو سائنسی اور تکنیکی طاقت دی، مگر اس سے اس کے جذبات ختم نہیں ہوئے۔ بلکہ جدید زندگی کی پیچیدگی نے بعض جذبات کو مزید گہرا کر دیا ہے۔

تنہائی، خوف، اجنبیت، بے یقینی، محبت، محرومی، یاد، خواہش اور روحانی جستجو آج بھی انسانی تجربے کا حصہ ہیں۔ یہی وہ تجربات ہیں جنہیں رومانوی فکر مختلف ادوار میں نئے اسلوب اور نئی علامتوں کے ذریعے بیان کرتی رہی ہے۔

جدید اردو شاعری کو اگر صرف جدیدیت، علامت نگاری یا ترقی پسندی کے عنوان سے پڑھا جائے تو اس کے ایک اہم فکری پہلو کو نظر انداز کرنے کا امکان رہتا ہے۔ اس شاعری کے اندر رومانوی فکر مسلسل نئی شکلوں میں موجود ہے۔

میرا جی کی پراسرار اور داخلی دنیا، ن۔م۔ راشد کی تہذیبی اور علامتی شاعری، ناصر کاظمی کی تنہائی، منیر نیازی کی حیرت اور صفدر میر کی ناآسودگی، سب میں جدید انسان کی داخلی کیفیت کا اظہار ملتا ہے۔

یہ شاعری براہ راست ورڈزورتھ یا کیٹس کی نقل نہیں کرتی، بلکہ رومانوی فکر کے بنیادی عناصر کو اپنے عہد کے مسائل کے مطابق نئے شعری پیکروں میں ڈھالتی ہے۔

اس لیے جدید اردو شاعری کو "نو رومانی" تناظر میں دیکھنے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ اس رومانیت میں فطرت کے ساتھ ساتھ شہری تنہائی، سیاسی جبر، نفسیاتی کشمکش، روحانی خلا اور تہذیبی شکست بھی شامل ہے۔

اکیسویں صدی میں دنیا کے مختلف معاشروں کے درمیان فاصلے کم ہو چکے ہیں۔ انٹرنیٹ، ڈیجیٹل ذرائع ابلاغ اور عالمی مواصلات نے ادبی اثرات کے پھیلاؤ کو مزید تیز کیا ہے۔

ایسے ماحول میں کسی زبان کا ادب دوسری زبانوں کے ادب سے مکمل طور پر الگ نہیں رہ سکتا۔ ادبی اثرات زبانوں کی زندگی کا حصہ ہیں۔ تاہم کسی زبان کی تخلیقی قوت اسی وقت برقرار رہتی ہے جب وہ بیرونی اثرات کو اپنی داخلی ساخت کے ساتھ جذب کر کے نئی تخلیقی صورت پیدا کرے۔

اردو شاعری کی تاریخ اس عمل کی ایک نمایاں مثال ہے۔ اردو نے فارسی، عربی، ہندی اور اب انگریزی سمیت متعدد ادبی روایات سے اثرات قبول کیے اور انہیں اپنے مزاج کے مطابق تبدیل کیا۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

انگریزی رومانوی شاعری کے اثرات اردو شاعری پر براہ راست اور بالواسطہ دونوں سطحوں پر مرتب ہوئے۔ براہ راست اثرات موضوعات، اسلوب اور فنی تجربات میں نظر آتے ہیں، جبکہ بالواسطہ اثرات جدیدیت، علامت نگاری، داخلی شعور اور جمالیاتی فکر کے ذریعے ظاہر ہوئے۔

ورڈزورتھ کی فطرت، کولرج کا تخیل، بلیک کی آفاقیت، شیلے کی فلسفیانہ فکر، کیٹس کا حسن اور بائرن کی فردیت محض تاریخی ادبی تصورات نہیں بلکہ جدید ادب کے مختلف مظاہر میں نئی صورتوں کے ساتھ زندہ ہیں۔

اردو شاعری نے انگریزی رومانوی روایت سے اثرات قبول کرتے ہوئے اپنی تہذیبی شناخت کو برقرار رکھا۔ جدید اردو شعرا نے علامت، استعارہ، امیج اور آزاد نظم کے ذریعے جدید زندگی کی پیچیدگیوں کو بیان کیا اور اس عمل میں رومانوی فکر کو اپنے عہد کے مسائل کے ساتھ مربوط کیا۔

آج اکیسویں صدی میں بھی رومانیت کی معنویت اس لیے برقرار ہے کہ انسان ابھی تک محبت، حسن، تنہائی، امید، خوف، اسرار، روحانیت اور تخیل کی ضرورت رکھتا ہے۔ مادی ترقی کے باوجود انسانی باطن کی ضروریات ختم نہیں ہوئیں۔ اس لیے رومانوی ادب آج بھی انسان کو اپنی داخلی دنیا سے جوڑنے، فطرت کے ساتھ تعلق قائم کرنے اور بہتر زندگی کا تصور کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔

اس اعتبار سے رومانیت ماضی کی ایک ادبی تحریک نہیں بلکہ انسانی شعور کی ایک ایسی مستقل جہت ہے جو مختلف تاریخی اور تہذیبی حالات میں نئی صورت اختیار کرتی رہتی ہے۔ اردو شاعری میں اس کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ عالمی ادبی اثرات جب کسی زندہ زبان اور تہذیب میں داخل ہوتے ہیں تو وہ محض نقل نہیں رہتے بلکہ نئے تخلیقی امکانات کو جنم دیتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

1. *ظہور الدین، ”رومانیت،“ از انور پاشا، ادبی تحریکات ورجحانات، جلد اوّل، ص243–256۔*
2. *Graham Hough, The Last Romantic (London: Methuen & Co. Ltd., 1961), vi.*
3. *ظہور الدین، ”رومانیت،“ ص250۔*
4. *John Frow, Marxism and Literary History (Oxford: Basil Blackwell Ltd., 1986), 32.*
5. *Douglas G. Atkins and Laura Morrow, Contemporary Literary Theory (New York: Macmillan Co., 1989), 61.*
6. *Fredric Jameson, Adam Roberts (London: Routledge, 2000), 105.*
7. *Philip Rice and Patricia Waugh, Modern Literary Theory (London: Edward Arnold, 1997), 54.*
8. *شمس الرحمن فاروقی، الفاظ ومعانی، دوسری بار (کراچی: شہرزاد، 2009)، ص153۔*
9. *Cleanth Brooks, The Hidden God (New Haven: Yale University Press, 1963), 1–2.*
10. *Colin Falck, Myth, Truth and Literature (Cambridge: Cambridge University Press, 1991), 151.*
11. *ام ہانی اشرف، کلاسیکیت ورومانیت اور دوسرے مضامین) علی گڑھ: مکتبہ الفاظ، 1982)۔*
12. *شمس الرحمن فاروقی، لفظ ومعانی، ص153۔*
13. *ظہور الدین، ”رومانیت،“ ص250۔*
14. *ڈاکٹر عرش صدیقی، تکوین) لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، 1997)، ص259۔*
15. *خاور جمیل، مرتب، ادب، کلچر اور مسائل) کراچی: رائل بک کمپنی، 1986)، ص35–36۔*
16. *Ralph Cohen, The Future of Literary Theory (London and New York: Routledge, 1989), 573*۔